سلسلہ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۱۱

(۷)

# عورت اور اسلام

(دوسرا ایڈیشن)
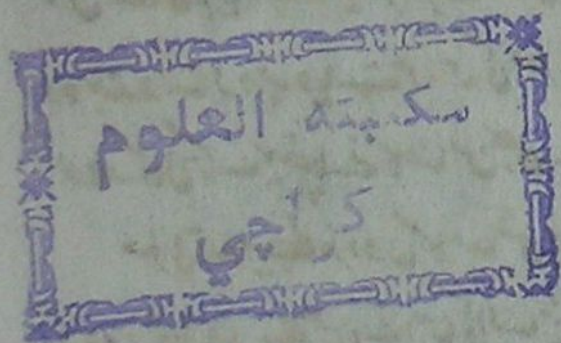
از افادات

سرکار سید العلماء علامہ الحاج سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

قیمت ۱۹ پیسہ

# امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور کی گیارھویں پیشکش

"عورت اور اسلام" دوسری بار شائع کی جا رہی ہے پہلا ایڈیشن جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ کتابچہ بنباضِ دہر سرکار سید العلماء علامہ علی نقی النقوی مجتہد العصر لکھنؤ کی اس تقریر کا خلاصہ ہے جو لاہور کے کثیر التعداد سنجیدہ طبقہ کو مخاطب کرتے ہوئے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال مال روڈ میں ستمبر ۱۹۵۵ء کو فرمائی۔ اس سال محرم اور اربعین کے موقعہ پر سرکار ممدوح کے بلند پایہ بیانات نے لاہور کے علمی اور اصلاحی حلقوں میں گہری دلچسپی پیدا کر دی تھی چنانچہ اس تقریر میں وقت موعودہ سے قبل ہی مجمع اس قدر زیادہ ہو گیا کہ برقی پنکھوں کی تیز رفتاری کے باوجود شدتِ حبس کے اثر سے مولانا دورانِ تقریر میں نڈھال ہو گئے اور یہ فصیح و بلیغ لیکچر مجبوراً ادھورا چھوڑنا پڑا۔ ہمارے اصرار پر مولانا نے اس تقریر کو رقم فرمایا ہے۔ تمدن اور معاشرہ میں "عورت کا درجہ" ہمیشہ کی طرح آج بھی ایک دلچسپ اور توجہ طلب موضوع ہے۔ ازمنہ ماضی کی مشہور تہذیبوں اور دنیا کے مذاہب متعارفہ نے "عورت" ایسی مقدس اور نازک مخلوق کے حقوق متعین کرنے میں فطری عدل و انصاف کی بجائے بخل سے کام لیا ہے۔ یہ فخر صرف شریعت اسلام کے ساتھ مختص ہے کہ اس نے عورت کو وہ بلند و ممتاز درجہ دیا ہے جو اس کی فطری شانِ نسوانیت کے جوہر کا محافظ ہی نہیں بلکہ اس کو حدِ کمال تک پہنچانے کا ضامن بھی ہے۔

مغربی تہذیب نے مردوں کا معاشی بوجھ عورت کے نازک کندھوں پر ڈالنے کیلئے اس کو بے پردگی کی راہ پر ڈال دیا ہے جس نے اس کی نسائیت کی آب و تاب کو مجروح کر کے اس کو "گوہر تابدار" کی بجائے راستے کا بے آبرو پتھر بنا دیا ہے اور نتیجۃً صنفی آوارگی کی راہیں کھول دی ہیں۔ عورت کو اسلام کے متعین کردہ حقیقی مقام سے محروم کرنے کی ایک لغزش نے انسانی معاشرے کی تمام چولیں ڈھیلی کر دی ہیں۔ اس کا علاج تعلیم اسلام کی طرف رجوع ہے — امید ہے کہ ہمدردانِ اسلام و انسانیت اس کتابچہ کی توسیع اشاعت سے امامیہ مشن ایسے خالص مذہبی اور تبلیغی ادارے کی معاونت فرما کر عند اللہ مثاب ہوں گے۔

آنریری سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ
اردو بازار۔ لاہور نمبر ۲

لاہور جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موضوع کلام "عورت اور اسلام ہے" اور یہ کہ شریعت اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے۔

## شریعت اور فطرت

شریعت خالق کا وہ قانون ہے جو انسانی افعال کے متعلق بحیثیت حاکم اس کی پسند کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور فطرت وہ قانون جو بحیثیت خالق خود اس کے افعال میں اس کے ارادہ کا مظہر ہے۔

صاف کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک بااختیار اور دانا حاکم کی پسند خود اس کے ارادوں سے متضاد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے شریعت الٰہیہ کے اصول کو فطرت کے بنیادی قوانین سے جدا نہیں ہونا چاہئے۔

## مرد اور عورت کی باہمی زوجیّت اور اس کے مقتضیات

مرد اور عورت نظام فطرت کے لحاظ سے اگر یکساں ہوتے تو اسے مرد اور اسے عورت کہا ہی کیوں جاتا؟ ان دونوں صنفوں کی باہمی مغائرت خود دونوں میں مقتضیات فطرت کے اختلاف کا پتہ دے رہی ہے۔

نظام زوجیت جو ان دونوں کو باہم منسلک کرتا ہے وہ اس تفرقہ پر قائم ہے کہ ان میں سے ایک اثر بخش ہے۔ اور دوسرا اثر پذیر۔ پھر اس تفرقہ کے بعد یہ کیوں کر ممکن ہے کہ شریعت میں احکام دونوں کے لئے ایک ہوں۔ بلکہ جب

شریعت مطابق فطرت ہے تو ضروری ہے کہ مرد کے لئے ایسے احکام ہوں جو اس کی مردانہ شان کے مناسب ہیں اور عورت کے لئے وہ احکام ہوں جو اس کی نسائیت کے لئے موزوں ہیں۔

مرد، عورت کے صفات حاصل کرلے تو اس کا کمال نہیں بلکہ نقص ہے، اسی طرح عورت، مرد کے اوصاف حاصل کرلے تو یہ اس کا کمال نہ ہوگا، بلکہ نقص ہوگا۔ اس لئے کہ مرد اور عورت کو فطرت نے زوجین کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ زوجین وہ دو چیزیں ہیں جن کا اجتماع کسی مقصد واحد کی تکمیل کے لئے ضروری ہو۔ جیسے ایک دروازہ کے دو پٹ یا موجودہ دور کے مناسب مثال بجلی کے منفی اور مثبت تار۔ ان میں بضرورت اجتماع ہمیشہ کچھ اس طرح کا فرق ضرور ہوگا۔ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کا تکملہ قرار پا سکے۔ مثلاً پٹوں میں ایک کا آگے کا حصہ کچھ بڑھا ہوا اور دوسرے میں اسی تناسب سے گھٹا ہوا۔ بجلی میں ایک تار کا مثبت اور دوسرے کا منفی ہونا اب اگر کوئی دونوں پٹوں میں اس معنی میں مساوات چاہے کہ دونوں بالکل یکساں کنارے رکھتے ہوں تو ان کے ایک جگہ رکھ دینے سے دو پٹ تو ہو جائیں گے مگر ان سے ایک دروازہ کی تشکیل نہ ہوگی۔ ان کو پاس پاس ملا کر رکھ بھی دیا جائے تو بیچ میں دراڑ باقی رہے گی۔ اسی طرح دو تاروں میں ایسی

مساوات کر دی جائے کہ دونوں مثبت ہوں یا دونوں منفی ہوں تو دو تار تو ہوں گے مگر ان کے اجتماع سے بجلی پیدا نہ ہوگی اسی طرح مرد اور عورت کے زوجین ہونے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک میں وہ قوّت و صلاحیّت ہو جو اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے اور دوسرے میں اس کے بالمقابل وہ ضعف و نرمی ہو جو اثر پذیر ہونے کے لئے لازم ہے۔ ان دونوں کو اس حیثیت سے مساوی سمجھنا درست ہے کہ نظام اجتماعی کے مفاد کے لئے یہ دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ لہذا ایک ایک دوسرے کو غیر و قیع اور سبک نہ سمجھے اور اسی مساوات کا قرآنِ مجید میں ان الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے کہ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ " وہ تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس"۔ مگر اس اعتبار سے دونوں میں بلحاظ احکام فرق وہ ضرور ہوگا کہ ایک ان میں سے قوی ہے اور دوسرا ضعیف۔ لہذا ممکن ہے کہ اس پہ ذمہ داریاں زیادہ ہوں اور اس پہ کم۔ اور اسی لحاظ سے اسے نظام منزلی میں قَوَّامٌ یعنی حاکم کا درجہ دیدیا جائے اور اسے کچھ حیثیتوں سے محکوم کا درجہ دیدیا جائے۔

زوجیّت کی اس نوعیت کے اظہار کے لئے قرآن مجید نے مختلف انداز اختیار کئے ہیں۔ ارشاد ہوا نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ " تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں"۔ اس تشبیہ میں

یہی خصوصیت نمایاں ہے کہ مرد کی حیثیت کاشتکار کی ہے، اور عورت کی مثال زمین کی ہے۔ کاشتکار اگر ایسا ہو کہ وہ اناج کے بونے کی طاقت نہیں رکھتا یا زمین کو سینچنے اور زراعت کے بعد اس کی داشت پر قادر نہیں ہے تو یہ اس کاشتکار کا نقص ہے اسی طرح زمین اگر اتنی سخت ہے کہ اس میں زراعت ممکن ہی نہیں یا ایسی ہے جو دانے کو جلا کر راکھ کر دے گی تو وہ زمین ناقص بلکہ ناکارہ ہے۔ ایسے ہی مرد کا کمال اس کی مردانگی میں مضمر ہے اور عورت کا کمال اس کی نسوانیت کے جوہر ہیں۔ اسی تفرقہ کا اظہار ہے۔ جو اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کی صورت میں کیا گیا ہے یعنی مرد کے ذمہ اصلاح و حفاظت ہے اور عورت کو اس کے ان کاموں میں جو اپنے فرائض کی تکمیل میں ہوں کسی مزاحمت کی اجازت نہیں ہے۔

## اسلام کا اصلاحی اقدام

اسلام کے پہلے عورت کا کیا درجہ تھا۔ وہ اس سے ظاہر ہے کہ عرب میں اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو وہ اسے اپنے لئے انتہائی باعثِ ننگ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ جیسا قرآن میں تذکرہ ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ

الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ "جب اُن میں سے کسی ایک کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا ہے اور وہ تمام لوگوں سے منہ چھپا کر کسی گوشہ میں بیٹھ جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ اس ذلت کے مجسمہ کو باقی رکھے یا اُسے زندہ درگور کردے۔"

بہت سے اسی جذبہ کے تحت لڑکی کو زندہ دفنا دیتے تھے جس کے لئے قرآن کریم نے کہا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ "ایک دن وہ آئے گا جب پوچھا جائے گا کہ یہ زندہ درگور کی ہوئی لڑکیاں آخر کس جرم میں قتل کی گئیں۔"

پھر جب اس کی پیدائش کے وقت ہی یہ جذبات ہوں تو بڑھنے کے بعد اس کی عزت کہاں ممکن تھی؟

عرب ہی میں نہیں بلکہ یونان و مصر ایسے ترقی یافتہ ممالک تک میں عورت کے ساتھ اثاث البیت کی طرح کا سلوک کیا جاتا تھا۔ یعنی گھر کا جیسے اور سامان ہے ویسی ہی ایک عورت بھی ہے۔ اسی لئے اس کا میراث میں حصہ نہ تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد اوس بن ثابت انصاری کا جب انتقال ہوا اور انہوں نے ایک زوجہ اور تین بیٹیاں چھوڑیں تو ان کے دو چچا زاد

بھائی آئے اور تمام مال لے کر چلے گئے۔ یہ مصیبت زدہ
عورتیں نان شبینہ کی محتاج رہ گئیں۔ چنانچہ فریاد لے کر رسولؐ
کے پاس آئیں۔ قانونِ اسلام نے اس ناانصافی کو ختم کیا اور
رسول اللہ صلعم نے اعلان کیا کہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝
"ماں باپ اور دیگر عزیز جو کچھ چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی
حصہ مقرر ہے اور عورتوں کا بھی"

اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت صرف عورت ہونے کی وجہ
سے میراث سے محروم نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ
چونکہ اس کی ذمہ داریاں بہ نسبت مردوں کے کم ہیں اور
مردوں پر نان و نفقہ واجب ہے۔ اس لئے بعض صورتوں
میں حصہ اس کا بہ نسبت مرد کے کم رکھا گیا ہے۔
مگر اس کو حقوق سے محروم نہیں کیا گیا۔

بلکہ وہ اگر رشتہ میں قریب تر ہے اور مرد رشتہ
میں دور تر۔ جیسے بیٹی ہو اور پوتا تو میراث پوری بیٹی کو
مل جائے گی اور پوتا محروم ہوگا۔ یہاں اس کا عورت ہونا
اس کے استحقاق میں قطعی سدِّ راہ نہ ہوگا۔

عرب میں اتنا ہی نہ تھا کہ وہ ترکہ سے محروم ہو، بلکہ

وہ تو اپنے شوہر کے بعد خود متروکہ کا ایک جزو سمجھی جاتی تھی اور جو متوفی کا وارث ہوتا تھا وہ اسی شوہر اوّل کے دئے ہوئے مہر پر اس کا شوہر بن جاتا تھا یا کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیتا تھا اور جو مہر وہ دیتا اس کا خود حق دار بنتا تھا اس میں اس بدقسمت عورت کی رضا کو کوئی دخل نہ ہوتا تھا اسلام نے اس ظالمانہ رواج کو بھی ختم کیا اور اعلان کیا۔ کہ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا
اس طرح یہ ظاہر کر دیا کہ میراث کا حق تمہیں متوفی کے اموال میں ہے۔ نہ یہ کہ بیوی کے بھی زبردستی وارث ہو جاؤ۔ اور نیز یہ کہ جدید شوہر کے انتخاب میں خود اس کی رضا لازم ہے یہ بھی کہ اگر وہ اپنے پسندیدہ شوہر سے عقد کرنا چاہے تو تمہیں مزاحمت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ارشاد ہوا
وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ
اس طرح ان کے مہر پر قابض ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا۔

عرب ایسا بھی کرتے تھے کہ جس شخص کا اپنی بیوی سے دل بھر آیا اور کسی دوسری عورت کی طرف رغبت ہوئی اس نے پہلی بیوی پر زنا کی تہمت لگا دی۔ تا کہ اسے جو مہر دے چکے ہیں وہ اس جرم کی وجہ سے تاوان کے طور پر واپس مل جائے یا نہیں دیا ہے تو وہ مہر سوخت ہو

جائے اور یہ اسی رقم سے دوسری عورت کو زوجیت میں لے سکیں۔ اسلام نے اس کا بھی خاتمہ کیا اور اعلان فرمایا وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ یعنی اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو کوئی بڑی سے بڑی رقم بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتے ہو۔ یہ بہتان طرازی اسی لئے تھی کہ وہ رقم واپس ہو جائے تو یہ غلط ہے۔ جب کہ تم مباشرت بھی کر چکے ہو اور مہر مضبوطی کے ساتھ معاہدۂ عقد کا جزو بن چکا تھا۔ تو اب اس مہر کی واپسی کا سوال ہی کیا ہو سکتا ہے؟"

## عورت کے بارے میں دوسرے مذاہب کی تعلیمات اور اسلامی تعلیم کی رفعت

عورت کے بارے میں وہ سلوک صرف عرب جاہلیت کا نہ تھا بلکہ اس وقت کے جو مروّجہ مذاہب تھے وہ بھی عورت کے لئے ایسے ہی تعلیمات کے حامل تھے۔ عیسائیوں کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت ہر برائی کی جڑ ہے۔ اور تمام مصائب دنیا میں اسی کے سبب

سے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے یہاں مرد کا عورت کے ساتھ تعلقِ ازدواجی ایک قابلِ نفرت امر ہو گیا۔ اُن کے یہاں تجرد کی زندگی روحانیت کی ترقی کا ذریعہ سمجھی گئی۔ بلکہ اگر شادی بھی کر لی ہو تو مقتضیاتِ فطرت کے پورا کرنے کے لئے عورت کے قریب نہ جائے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ماں تک عزت کی نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بائیبل نے حضرت عیسےٰؑ تک کی طرف یہ امر منسوب کر دیا کہ ان کی والدہ حضرت مریمؑ آئیں تو انھوں نے ان کی جانب سے بے اعتنائی اختیار کی اور اس کے بعد ظاہر ہے کہ مرد اور عورت کے اجتماع سے جتنے رشتے قائم ہوں وہ کب قابلِ احترام ہو سکتے ہیں۔ اس طرح نظام منزلی درہم برہم ہو گیا اور حقوقِ قرابت کوئی چیز نہ رہے۔

اسلام نے اس کے بالمقابل بتایا کہ عورت کوئی اور چیز نہیں۔ یہ تو مرد کی فطرت کا ایک لازمی جزو ہے ارشاد ہوا

جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ

(یعنی) اس نے تمہارے لئے تمہارے ہی نفوس میں سے جوڑے بنائے۔ جب کہ وہ اس کا جزو ہیں۔ تو اسے نیکی کا خزانہ اور اسے بدی کا سرچشمہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے؟

اس نے ماں کو مثل باپ کے قابلِ عزت قرار دیا۔ یہاں تک کہ دونوں کے ذکر میں تقدم و تاخر کا سوال پیدا نہ ہونے دیا اور دونوں کو ایک ہی نام سے یاد کرتے ہوئے اپنے حقوق کے بعد ہی ان کے حقوق کا درجہ قرار دیا۔

قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

جہاں جہاں حسن سلوک میں باپ کا ذکر ہے ماں کا تذکرہ بھی اس کے ساتھ ملفوف ہے۔ وَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا اور کہیں پہ ماں کا بالخصوص تذکرہ کیا گیا ہے جیسے حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّ وَضَعَتْہُ کُرْھًا "اس کی ماں نے کتنی تکلیف اٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا اور کتنی تکلیف اٹھا کر اُسے شکم سے باہر نکالا" یہ اسی لئے کہ اس کے حقوق پر ہمیشہ خصوصی حیثیت سے توجہ رہے۔

**مرد کی حاکمیت**

مرد کی اطاعت عورت پر جو واجب ہے اس کی شان آقا اور کنیز کی سی نہیں ہے عورت اپنے املاک کی مثلاً اس جہیز کی جو اسے ماں باپ کی طرف سے ملا ہو، اور اس مہر کی جو اسے شوہر

کی طرف سے ملا ہو یا اس متروکہ کی جو اسے ماں باپ یا کسی دوسرے عزیز کے مرنے سے حاصل ہوُا ہو تنہا مالکہ ہے۔ اور اسے اپنی املاک میں تصرّف کا حق ہے۔ مرد کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔ وہ اپنی املاک جسے چاہے ہبہ کرے بیع کرے اور اس کو تجارت میں لگا کر اپنے سرمایہ میں اضافہ کرتی رہے۔ وہ ہر طرح سے اس کا اختیار رکھتی ہے۔

امور خانہ داری جیسے طعام و لباس وغیرہ کی درستی اور گھر کی صفائی اور بچّوں کی پرورش و پرداخت صرف باہمی سمجھوتہ کے ساتھ عمل میں آنا چاہیئے۔ شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک آقا کی طرح بطور کنیز کے اس سے جبراً یہ خدمتیں لے۔ یہاں تک کہ بچوں کو دودھ پلانا تک اس کے ذمہ جبری طور پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ایک اخلاقی فریضہ ہے، جسے باہمی رضامندی کے ساتھ انجام پانا چاہیئے شرعی طور پر تو وہ شوہر سے اس کے بچہ کو دودھ پلانے کا کوئی معاوضہ تک طلب کر سکتی ہے۔ جسے شوہر کو یا تو ادا کرنا ہوگا یا پھر بچہ کی رضاعت کا کوئی دوسرا سامان کرنا ہوگا۔

بے شک مرد کی حاکمیّت عورت پر ان امور میں ہے

جو اس کی عفت و عصمت کی حفاظت سے متعلق ہیں۔ یا
جو نظام ازدواجی کے مقاصد سے وابستہ ہیں۔ گھر
سے بغیر اجازت شوہر قدم باہر نہیں نکال سکتی۔ گھر میں بغیر
اجازت شوہر کسی شخص کو بلا نہیں سکتی تصرفات ازدواجی
میں جو حدود شرع کے اندر ہوں وہ شوہر کے مطالبات
کے پورا کرنے سے انکار یا ان میں مزاحمت نہیں کر سکتی۔
یہاں تک کہ روزۂ مستحبی تک بغیر رضائے شوہر نہیں رکھ
سکتی۔ اور ایک شوہر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سے
تعلقات نہیں قائم کر سکتی، جو خالق کی طرف کا لازمی حکم
ہے۔ جس میں شوہر کی رضا اور عدم رضا کا بھی امتیاز
نہیں ہے۔

**کچھ امتیازات** خصوصیات فطری میں تفرقہ کی وجہ سے
شریعت نے مرد کے لئے کچھ امتیازات
ضرور قرار دئے ہیں جو صرف نظام ازدواجی کے زیادہ
سے زیادہ کامیاب اور پُر مقصد ہونے کے لئے ضروری
ہے۔ مثلاً مرد کو چار عورتوں تک سے عقد دائمی کے ساتھ
اور اس سے بھی زیادہ متعہ کے ساتھ شادی کا حق
ہونا اور عورت کو ایک مرد سے زیادہ شادی کا حق
نہ ہونا یہ امتیاز بالکل فطرت کی اس تفریق کے

لحاظ سے ہے کہ مرد جتنی عورتوں سے عقد کرے، ہر ایک سے اولاد ہونے کا امکان ہے، اس لئے نسل انسانی میں اضافہ جو عقدِ ازدواج کا ماحصل ہے۔ اس پر مرتب ہو سکتا ہے مگر عورت کتنے ہی مردوں سے تعلقات قائم کرے اس کے یہاں ایک سے زیادہ اولاد نہ ہو گی اور زیادہ مردوں سے تعلق کی وجہ سے وہ بھی ایک مشتبہ ہو جائے گی۔ کہ کس کی اولاد ہے۔ لہذا حقوق قرابت کی تعیین و تحدید ناممکن ہو جائے گی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے۔ عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ عموماً مرد کی بہ نسبت عورت شدتِ احساس اور سرعتِ اشتعال رکھتی ہے۔ شریعت کا منشا یہ ہے کہ طلاق جہاں تک ممکن ہو سکے کم سے کم وقوع پذیر ہو۔ عورت کے ہاتھ میں اس اختیار کے ہونے کی صورت میں بات بات پر طلاق ہو جایا کرتی۔ اس طرح نظامِ منزلی درست نہ رہتا۔ لہذا اسے مرد کے ہاتھ میں رکھا اور اس میں بھی شرائط کسی حد تک دشوار رکھ دیئے تاکہ اس کے امکانات کم ہو جائیں۔

اسی طرح شوہر چونکہ اس کے حفظ ناموس و عزت

کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ لہٰذا اُسے عورت کے غیر معتدل
حرکات پر جو جنسی اخلاقیات سے متعلق ہیں کچھ تنبیہہ کا حق
دیا گیا ہے۔

یہ سب نظامِ منزلی کے مفاد کے لحاظ سے ضروری
چیزیں تھیں جن سے عورت کی بحیثیت صنفی کوئی توہین
منظور نہیں تھی۔

## عورت دورِ جدید میں

یورپ کے زیرِ سایہ دورِ جدید
میں جو عورت پر خیرات و
برکات کی بارش کی گئی ہے اس میں بڑا نقص یہ ہے کہ اس
نے عورت کے نسائی خصوصیات و کمالات کو نظر انداز کر دیا
ہے۔ وہ اسے ترقی کے میدان میں مرد بنا کر دوڑاتا ہے
اور اس کی نسائیت کے جوہروں کو اس سے سلب
کرتا ہے۔ یہ اس کے لئے حقیقت میں رحمت نہیں
بلکہ سامانِ زحمت ہے اور یہ اس کی بلندی نہیں بلکہ
پستی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام
نے جو عورت کو ترقی دی وہ اس کے نسوانی کمال کے
تحفظ کے ساتھ اور یہی اس کے لئے صحیح راہِ عمل تھی
جیسا کہ مولانا اسد علی صاحب نے لکھا ہے :۔
عورت کے بارے میں تمدنِ جدید کے رجحانات کو تین

شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے[1]

۱- عورتوں اور مردوں کی مساوات

۲- عورتوں کا معاشی استقلال

۳- دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

ان تینوں باتوں پر مولانا نے بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"مساوات کا اگر یہ مطلب لیا جاتا کہ شوہر بیوی کو اپنی کنیز اور مہر کو اس کی قیمت نہ تصوّر کرے بلکہ برابر کا شریک رنج و راحت سمجھے، جس حد تک اپنے لئے آرام کا طالب ہے، اسی حد تک عورت کو آرام پہنچانے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ تو ٹھیک تھا۔ لیکن یہاں تو مساوات کا غلط تخیّل قائم کر لیا گیا ہے کہ تمدنی زندگی میں بھی عورت وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں۔ اور اخلاقی بندشیں عورت کے لئے بھی اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں، جیسے مرد کے واسطے پہلے سے ڈھیلی ہیں مساوات کے اس غلط تصوّر نے عورت کو اس کے ان فطری وظائف و فرائض سے غافل و بے پروا

---

[1] "عورت اسلام کی روشنی میں" مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ

کر دیا جن کی بجا آوری پر تمدن کی بقاء بلکہ نوع انسانی کی بقاء کا انحصار ہے۔ معاشی، سیاسی، اجتماعی سرگرمیوں نے اس کی شخصیت کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر لیا۔ انتخابات کی دوڑ دھوپ، دفتروں اور کارخانوں کی ملازمتیں، آزاد صنعتی اور تجارتی پیشوں میں مرد کے دوش بدوش کاوشیں اس کے ساتھ پھر تفریحی مشاغل میں شرکت، کھیلوں اور ورزشوں میں تگ و دو کلب اور رقص و سرود کی محفلوں کی شرکت، اسٹیج کی گل افشانیاں اور پبلک جلسوں میں دور از عمل خوش بیانیاں اور ان کے سوا اور بہت سی ناکردنی اور ناگفتنی باتیں اس پر کچھ اس طرح چھا گئیں کہ ازدواجی زندگی کے فرائض، خانگی ذمہ داریاں، بچوں کی خبر گیری، خاندان کی خدمت، گھر کی تنظیم، ضروریات کی فراہمی، تمام چیزیں اس کے لائحہ عمل سے خارج ہو کر رہ گئیں۔ بلکہ ذہنی طور پر وہ اپنے فطری مشاغل اور اصلی فرائض سے نفرت کرنے لگی۔ اور ان مصروفیتوں کو وہ باعث توہین خیال کرنے لگی"۔

* اخلاقی مساوات کے غلط تخیّل نے عورتوں اور مردوں کے درمیان بداخلاقی میں مساوات قائم کر دی ہے۔ بے حیائی کی دوڑ میں وہ مرد سے پیچھے نہیں ہے بلکہ کچھ آگے ہی نظر آتی ہے۔ وہ

بے حیائیاں جو کبھی مردوں کے لئے بھی باعثِ ننگ تھیں وہ اب عورتوں کے لئے بھی شرمناک باقی نہیں رہی ہیں۔ بلکہ باعثِ عزّت و امتیاز بن گئیں"۔

حالاں کہ مرد اور عورت فطری خصوصیات میں بالکل الگ الگ ہیں۔ جو سائنس سے بھی ثابت ہیں اور حالات کا مشاہدہ بھی اسے بتاتا ہے اور اسی کی بنا پر اس کے حدود عمل کو بھی الگ الگ ہونا چاہئے اور پابندیوں کی نوعیت کو بھی مختلف ہونا چاہئے۔

یہ موجودہ زمانہ میں مرد کی انتہائی بے انصافی ہے کہ وہ ان مخصوص مشاغل حیات اور رموز و ریوں میں جو عورت کی ذات کے ساتھ فطری طور پر وابستہ ہیں اس کے ساتھ کوئی شرکت نہیں کر سکتا۔ مگر اسے اپنی زندگی کے جہاد میں مساوی طور پر اپنے ساتھ شریک کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

خالق کی طرف سے یہ تقسیم عمل کا حکیمانہ اصول تھا جس کی بنا پر عورت کا نان و نفقہ مرد کے ذمہ قرار دیا۔ اور اسے اکتسابِ معیشت کی پابندیوں سے آزاد رکھا۔

مساوات کے اس غلط نظریہ کی بنا پر جو تمدن جدید کی پیداوار ہے اب مرد الگ کسبِ معیشت کرتا ہے اور عورت اپنی فطری مجبوریوں کے باوجود الگ کسبِ معاش کے لئے مجبور ہے۔ بقول مولوی اسد علی صاحب کے "اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ربط ایسا قائم نہیں رہا۔ جو اُن میں ایک

کو دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور کرتا ہو۔"

"آزادیِ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمائش، بے حجابی و بے شرمی کے مظاہرات، عریانی و فواحش کے مناظر کو غیر معمولی ترقی دے دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرد اور عورت دونوں کی طرف سے یہ کوشش شروع ہو گئی کہ صنفِ مقابل کے لئے زیادہ سے زیادہ محلِ التفات بنیں۔ جدید تعلیم نے وہ تمام اسباب پہلے ہی بنا دئے تھے کہ جن کا نتیجہ جاذبیت اور کشش یقینی ہے اور معاشرت نے یہ بھی سمجھا دیا کہ شانِ دلربائی پیدا کرنے میں کوئی عیب نہیں بلکہ یہ ہنر اور کمال ہے۔" اب حسن و جمال کی نمائش ترقی کرتی چلی اور ہم منزل پہ پہنچ کر یہ دیکھا کہ منزل آگے ہے۔ مولوی اسدعلی صاحب نے اس نفسیاتی کیفیت کا بہت اچھا تجزیہ کیا ہے۔ ان الفاظ میں کہ "ادھر مردوں کی طرف سے ہر وقت هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا تقاضا ہے۔ کیونکہ جذبات میں جو آگ لگی ہوئی ہے وہ حسن کی ہر بے حجابی پر بجھتی نہیں بلکہ اور زیادہ بھڑکتی ہے اور مزید بے حجابی کا مطالبہ کرتی ہے جیسے کسی کو لُو لگ گئی ہو اور پانی کا ہر گھونٹ پیاس کو بجھانے کے بجائے اور بھڑکا دیتا ہو۔ یہ ننگی تصویریں، یہ صنفی لٹریچر، یہ عشق و محبت کے افسانے یہ عریاں اور جڑواں ناچ، یہ جذبات سے بھرے ہوئے فلم آخر کیا ہیں؟ اور جس طرح بری باتوں کا اچھا نام رکھ کر اُن کو جائز اور مستحسن بنا لیا جاتا ہے۔ جھوٹ کو مصلحت کہہ دیتے ہیں۔ مکر و دغا

کو سیاست، اسی طرح اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے انہوں نے
اس کا نام رکھ دیا "آرٹ"

## عورت اسلام کی روشنی میں

مولوی اسد علی صاحب نے اس کو نہایت جامع طور پر تین باتوں
میں محدود بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں" اسلام نے عورت کو حقوق دیتے
ہوئے تین باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے۔

اول یہ کہ عورت کو تمام ایسے مواقع دئے جائیں جن سے فائدہ
اٹھا کر وہ اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے

دوم یہ کہ اس کی ترقی اور کامیابی جو کچھ ہے عورت ہونے کی
حیثیت سے ہو، نہ مردانہ حیثیت سے، مرد بننا۔ نہ تو اس کا حق ہے
نہ تمدن کے لئے مفید ہے نہ مردانگی میں وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

سوم یہ کہ مرد اپنی قوامیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور قیام
نظم کے لئے اختیار کو بروئے کار لانے میں ظلم نہ استعمال کرے اور ایسا نہ
ہو کہ زوجہ اور شوہر کا تعلق عملاً لونڈی اور آقا کا تعلق بن جائے"

امر اول کے تحت میں یہ ہے کہ اسلام نے معاشی حیثیت سے عورت
کو بالکل بے لبس نہیں بنایا۔ باوجود دیکہ اس کے ضروریات کی کفالت
شوہر کے ذمہ رکھی پھر بھی عورت کے ذاتی حق ملکیت کو تسلیم کیا
میراث میں اس کو باپ، شوہر، اولاد اور دوسرے اقارب سے حصہ

ملتا ہے جس پر اس کو قبض و تصرّف کے پورے حقوق حاصل ہیں۔ شوہر
سے اس کو مہر بھی ملتا ہے جس پر اس کا انفرادی تسلّط ہے۔ اپنے
اموال سے اس کو تجارت کا بھی حق ہے اور تجارت یا دوسرے جائز
ذرائع سے جو کچھ وہ اموال حاصل کرے اس کی بھی مالک کلیتہً وہ خود
ہے اس طرح معاشی طور پر ہو سکتا ہے کہ وہ شوہر سے زیادہ بہتر
حالت میں ہو۔ پھر اسے تمدّنی آزادی یوں حاصل ہے کہ شوہر کے
انتخاب میں اسے پورا پورا اختیار ہے۔ اگر وہ بالغہ و رشیدہ ہے
تو کسی کو یہاں تک کہ باپ کو بھی اس پر جبر کا حق نہیں ہے پھر
جب اس شوہر کے حبالۂ زوجیت سے وہ اس کی وفات یا طلاق
وغیرہ کی وجہ سے خارج ہو تو اسے عقدِ ثانی کا حق ہے۔

تعلیم جس مقصد تک انسان کے لئے فرضِ عین ہے۔ اس
میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ
بھی علم وہ اگر حاصل کرنا چاہے تو اپنے نظام اخلاق اور فضیلتِ نسوانی
کے تحفظ کے ساتھ اسے ایسا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

بے شک فرائضِ مذہبی کا خیال عورتوں کے لئے بھی لازم ہے
اور مردوں کے لئے بھی اور ایسے فنون جو شریعتِ اسلام میں
ممنوع ہیں دونوں کے لئے یکساں طور پر ممنوع ہیں۔ ان میں
کوئی فرق نہیں ہے۔

قوم و ملت کے خدمات کا اپنے نظام تمدنی کے تحفظ کے

ساتھ جس طرح مرد کو موقع حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی۔

امر دوم کے تحت میں یہ ہے کہ اسلام نے عورت کے لئے ہر منزل پر یہ احساس ضرور قائم رکھنا چاہا ہے کہ وہ عورت ہے۔ احکام و عبادات میں اکثر مرد اور عورت کے درمیان جو فرق ہے وہ اسی احساس کے تازہ رکھنے کے لئے ہے۔ نمازِ جمعہ وغیرہ سے عورت اسی لئے مستثنیٰ رکھی گئی ہے کہ اسے تقسیم عمل کا خیال رہے اور جہاد بالسّیف کے میدان سے وہ اسی لئے الگ رکھی گئی کہ وہ یہ محسوس کرے کہ اس کا میدانِ جہاد دوسرا ہے چنانچہ اس تقسیم عمل کو انتہائی نمایاں حیثیت سے کربلا کے جہاد میں پیش کیا گیا۔ حالانکہ نتائج کے لحاظ سے اس جہاد میں حضرتِ زینبؑ و ام کلثومؑ کے عمل کی اہمیت حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ کی قربانیوں سے کم سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

پردہ کا حکم بھی اس کے شرفِ نسوانی کے تحفظ ہی کے لئے ہے۔ جس کی تفصیلات ہماری کتاب "پردہ اور اسلام" میں ہیں جو امامیہ مشن لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ والسّلام

علی نقی النقوی

---

ہادیٔ عالم حضرت رسول صلعم کی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہراؑ جو عورتوں کے لئے نمونۂ کامل ہیں ارشاد فرماتی ہیں کہ عورت کی بڑی نیکی یہ ہے کہ کوئی غیر محرم اس پر نگاہ نہ ڈالے اور نہ ہی وہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالے۔